امام ترمذیؒ اور جامع صحیح

خصوصیات وحقائق کی ایک جھلک

مولانا تقی الدین ندوی مظاہری (استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء)

نام ونسب محمد نام اور ابو عیسیٰ کنیت ہے، قبیلہ بنو سلیم سے تعلق رکھتے تھے، آپ کا پورا نسب یوں بیان کیا جاتا ہے:- محمد بن عیسیٰ بن سورہ بن موسیٰ بن ضحاک سلمی ترمذی بوغی،

(لیکن سمعانی نے ان کے نسب نامہ میں بوغی کے بجائے شداد لکھا ہے[1])

"بُوغی" قریہ بوغ کی جانب منسوب ہے، اور بعض روایتوں کے مطابق امام ترمذیؒ اسی میں آسودۂ خواب ہیں، یہ ترمذ سے چھ فرسخ کی مسافت پر واقع ہے[2]۔

پیدائش ووفات امام موصوف ۲۰۹ھ میں مقام ترمذ ہی میں پیدا ہوئے، یہ ترمذ ایک قدیم شہر ہے جو دریائے جیحون کے ساحل پر واقع ہے[3]۔ اس کا تلفظ ترمِذ، ترمَذ اور تُرمُذ تینوں طریقوں سے ہے، لیکن اہلِ درس کے یہاں ترمِذ (بالکسر) ہی مشہور ہے۔

آپ کا انتقال مشہور روایت کے مطابق ۲۷۹ھ میں یہیں ہوا۔ آپ نے سَتّر سال کی عمر پائی تھی۔ (اتحاف ص۳۸۷)

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ جس دور میں پیدا ہوئے اس زمانہ میں علم حدیث شہرت کے درجے کو پہنچ چکا تھا۔ بالخصوص خراسان اور ماوراء النہر کے علاقے تو مرکزی حیثیت رکھتے تھے، اور امام بخاریؒ جیسے جلیل القدر

---

[1] کتاب الانساب، [2] معجم البلدان ج ۲ ص۳۸۲، [3] مرقاۃ ص۲۱

محدث کی مسندِ علم بچھ چکی تھی۔

امام موصوف نے جونہی شعور کی آنکھیں کھولیں، انھیں علم حدیث کی تحصیل کا شوق دامنگیر ہوگیا، چنانچہ انھوں نے اس کے حصول کے لئے مختلف حصّوں، علاقوں اور ملکوں کا سفر کیا، حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:۔

طاف البلاد وسمع خلقا من الخراسانیین والعراقیین والحجازیین[1]

شیوخ | امام ترمذیؒ نے اپنے زمانے کے ہر خرمنِ حدیث سے استفادہ کیا اس لئے ان کے شیوخ کا استقصاء دشوار ہے، علامہ ذہبیؒ نے بخاری، مسلم، علی بن حجر مروزی، ھناد بن سری، قتیبہ بن سعید، محمد بن بشار وغیرہ کو ان کے اساتذہ میں شمار کیا ہے۔ امام ابوداؤدؒ بھی ان کے شیوخ میں سے ہیں۔ البتہ امام احمدؒ سے سماع ثابت نہیں۔

آپ کے شیوخ میں ایسے حضرات بھی ہیں جن سے اکثر اصحابِ صحاح نے استفادہ کیا ہے۔

علامہ موصوف فرماتے ہیں:۔

"امام مسلمؒ اگرچہ امام ترمذیؒ کے اساتذہ میں سے ہیں مگر پوری کتاب میں صرف ایک روایت ان سے مروی ہے اور وہ روایت "أحصوا ھلال شعبان لرمضان" والی ہے اگرچہ اس کی حیثیت ایسی ہے کہ جیسے اپنے کسی معاصر سے روایت کی جاتی ہے کیونکہ دونوں کے بہت سے شیوخ میں اشتراک ہے۔" (تذکرہ ۲ ص۲۰۷)

امام بخاریؒ سے امام موصوف کو زیادہ استفادہ کا موقع ملا، علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں:۔

"تفقه فی الحدیث بالبخاری" یہاں تک کہ امام بخاریؒ کے مایۂ ناز تلامذہ میں اُن کا شمار ہے، حاکم نے موسیٰ بن مالک کا یہ مقولہ نقل کیا ہے۔

مات البخاری فلم یخلف بخراسان مثل ابی عیسیٰ فی العلم والحفظ والورع والزھد (تہذیب ۹ ص۳۸۹)

خود امام بخاری کو بھی اپنے لائق شاگرد پر ناز تھا۔ انھوں نے ان کے کمالِ علم کی ان الفاظ میں

[1] تہذیب التہذیب ص۳۵۸،

سند عطا فرمائی تھی :-

"ما انتفعت بك اكثر مما انتفعت بی" (تہذیب حوالہ مذکور)

مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :-

اس کا مطلب یہ ہے کہ ذہین شاگرد جب استاذ سے سوال کرتا ہے تو اس کی نگاہ دیکھ کر اس کی نگاہ دیگر علوم کی طرف جاتی ہے[1]

امام بخاریؒ نے بھی دو حدیثیں امام موصوف سے روایت کی ہیں :-

(۱) کتاب التفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث " فی قول اللہ عز وجل ما قطعتم " کے تحت (۲) حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کی حدیث " یا علی ! لا یحل لأحد ان یجنب فی هذا المسجد غیری وغیرك (فی باب مناقب علیؓ)

اور ان دونوں کی تخریج کے بعد فرمایا کہ سمع منی محمد بن اسمعیل[2]

شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :-

ترمذی شاگرد رشید بخاری است در وش اورا آموختہ واز مسلم وابی داؤد وشیوخ ایشاں نیز روایت دارد ودر بصرہ وکوفہ وواسط وری وخراسان وحجاز سالہا در علم حدیث بسر بردہ (بستان صـ۱۱۰)

تلامذہ | اوپر گذر چکا ہے کہ امام بخاریؒ کے انتقال کے بعد ابو عیسیٰ کے ہم پلہ خراسان میں کوئی محدث نہیں تھا۔ اس لئے ان کی ذات مرجع خلائق بن گئی، ان کے تلامذہ میں خراسان وترکستان کے علاوہ دنیائے اسلام کے مختلف گوشوں کے آدمی ملتے ہیں۔ چند ممتاز تلامذہ کے نام درج ذیل ہیں۔

ابو حامد احمد بن عبد مروزی۔ ہیثم بن کلیب شاشی ابو العباس احمد محمد بن محبوب المروزی جنھوں نے جامع ترمذی کو امام موصوف سے روایت کیا ہے۔ احمد بن یوسف نسفی، عبد بن محمد بن محمد النسفی محمد بن محمود اور داؤد بن نصر بن سہل بزودی وغیرہ۔

فضل | حق تعالیٰ شانہ جب کسی سے کوئی بڑا کام لینا چاہتا ہے تو اس کے اسباب بھی پیدا کر دیتا ہے۔

---

[1] عرف الشذی صـ۳۸ ـ [2] مقدمہ تحفہ صـ۱۶۷ ـ

امام موصوف کو جس طرح اکابر محدثین سے استفادہ کا موقعہ ملا ویسے ہی خداداد قوتِ حفظ بھی عطا کی گئی تھی۔ ابو سعید ادریسی فرماتے ہیں کہ ابو عیسیٰ کی قوتِ حفظ بھی مثالی بیان کی جاتی تھی[1] ان کا ایک حیرت انگیز واقعہ رجال کی سب ہی کتابوں میں مذکور ہے کہ انھوں نے ایک شیخ سے دو جزء کے بقدر بواسطہ حدیثیں سنیں اور قلمبند کیں حسن اتفاق سے کچھ دنوں کے بعد ان شیخ سے ملاقات ہوگئی انھوں نے شیخ مذکور سے سماع حدیث کی درخواست کی۔ شیخ نے سنانی شروع کیں اور امام ترمذیؒ سے فرمایا کہ لکھو لو، ترمذی بیاض لے کر بیٹھ گئے۔ مگر قلم میں روشنائی نہیں لی تھی یوں ہی بیاض پر قلم چلاتے رہے۔ شیخ کو شبہ ہوا کہ یہ لکھ نہیں رہے ہیں بلکہ یونہی قلم پھیر رہے ہیں، اٹھ کر دیکھا تو بیاض سادہ تھی۔ بہت خفا ہوئے اور فرمایا:۔ تم مذاق کرتے ہو . . . . . امام ترمذی نے عرض کیا، آپ گھبرائیے نہیں! جتنی حدیثیں آپ نے سنائی ہیں سب مجھے یاد ہیں۔ سن لیجئے، چنانچہ تمام حدیثیں فرفر سنا دیں، شیخ کو خیال ہوا کہ شاید یہ ان کو پہلے سے یاد تھیں۔ انھوں نے باور نہیں کیا۔ امام ترمذی نے عرض کیا، آپ دوسری حدیثیں سنائیے میں ان کو بھی سنا دوں گا۔ چنانچہ شیخ نے اپنے غرائب الحدیث سے چالیس حدیثیں سنائیں جن کو امام ترمذی نے فوراً ہی دوہرا دیا تب شیخ کو ان کی قوتِ حفظ کا یقین ہوا۔[2]

زہد و تقویٰ | حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ لکھتے ہیں :۔

> تورع و زہد بحدے داشت کہ فوق آں متصور نیست بخوفِ الٰہی بسیار گریۂ وزاری کرد و نابینا شد، یعنی زہد و تقویٰ اس درجہ کا حاصل تھا کہ اس سے زیادہ متصور ہی نہیں کیا جا سکتا، اور خوفِ الٰہی سے بکثرت گریۂ وزاری کیا کرتے تھے، یہاں تک کہ آنکھوں کی بینائی جاتی رہی۔ بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ وہ مادرزاد اندھے پیدا ہوئے تھے لیکن حافظ ابن حجرؒ نے اس کی تردید کی ہے۔ (تذکرہ ص ۲۰۶)

تنبیہ | شروع میں بتایا جا چکا ہے کہ امام موصوف کا نام محمد اور کنیت ابو عیسیٰ تھی لیکن انھوں نے اپنے نام کے بجائے اپنی کنیت زیادہ استعمال کی ہے۔ جیسے فرماتے ہیں:۔ **قال ابو عیسیٰ الخ** مگر بعض علماء نے اسے مکروہ سمجھا ہے چنانچہ ابن ابی شیبہ اپنی مصنف میں ترجمۃ الباب لائے ہیں "

---

[1] مقدمہ تحفہ ص ۱۹۶ [2] ص ۵ بستان ص ۱۲۱

"باب ما یکرہ للرجل أن یکتنی بأبی عیسٰی" اور باب کے تحت کی روایت سے کراہت ثابت کیا ہے لیکن اس کے برخلاف امام ابوداؤدؒ نے کتاب الآداب میں اس کا جواز ثابت کیا ہے "باب ما یکتنی بأبی عیسٰی" اس لئے علماء نے جن روایتوں سے کراہت ثابت کی ہے ان سب کا جواب دیا ہے۔

ایک مغالطہ کا ازالہ ترمذی کے نام سے ائمہ میں تین حضرات مشہور ہیں، اسی لئے اکثر لوگوں کو مغالطہ ہوجایا کرتا ہے حالانکہ تینوں کے درجات مختلف ہیں۔

(۱) امام ابوعیسٰی ترمذی صاحب سنن ہیں۔ (۲) ابوالحسن احمد بن حسن ہیں۔ یہ ترمذی کبیر کے لقب سے مشہور ہیں۔ اور امام احمد کے تلامذہ میں سے ہیں، نیز امام ترمذی صاحب سنن و امام بخاری و ابن ماجہ کے شیوخ میں ہیں۔ (۳) حکیم ترمذی صاحبِ "نوادر اصول" ہیں۔ شاہ عبدالعزیز صاحب بستان میں فرماتے ہیں کہ نوادر کی اکثر روایات ضعاف اور غیر معتبر ہیں (بستان المحدثین ص۱۲۰)

تصانیف امام ترمذیؒ نے بکثرت تصنیفات کی ہیں، آپ کو فقہ اور تفسیر پر بھی کافی دستگاہ حاصل تھی جو ان کی سنن سے ظاہر ہے۔ ان کی مختلف کتابوں کا تذکرہ ملتا ہے۔ (۱) العلل (۲) المفرد۔ (۳) التاریخ (۴) الزہد (۵) الشمائل[۱] (۶) الأسماء والکنی[۲]، البتہ ابن ندیم نے کتاب التاریخ کا اضافہ کیا ہے[۳]، اس میں شمائل و علل صغریٰ دونوں مطبوع ہیں، البتہ علل کبریٰ نایاب ہے، انھوں نے علل پر بھی دو کتابیں لکھی ہیں۔

جامع الترمذی حدیث کی جس کتاب میں آٹھ قسم کے مضامین بیان کئے جائیں اس کو جامع کے لقب سے یاد کرتے ہیں، اور وہ آٹھ قسم کے مضامینِ جامع یہ ہیں ؎

---

[۱] شمائل میں مصنف نے چار سو حدیثیں جمع کی ہیں۔ اور چھپن[۵۶] بابوں پر منقسم کیا ہے۔ اس کی مختلف لوگوں نے شرحیں لکھی ہیں (۱) جمع الوسائل لملا علی قاری (۲) مواہب لدنیہ للمناوی۔ شیخ ابراہیم بیجوری اور مولانا احمد علی صاحبؒ کا حاشیہ زیادہ مقبول ہیں، اور ان سب شروح اور دیگر کتب احادیث کی شروح کا خلاصہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب دامت برکاتہم نے اپنے شمائل کے ترجمہ خصائل نبوی کے حاشیہ پر جمع کر دیا ہے۔ [۲] تہذیب ص۲۶۰ [۳] فہرست ص۲۲۵

(۱) سیرو (۲) آداب و (۳) تفسیر و (۴) عقائد۔ (۵) فتن و (۶) احکام و (۷) اشراط و (۸) مناقب

اور چونکہ "ترمذی" ان آٹھوں قسم کے مضامین پر مشتمل ہے اس لئے اس کو جامع کہا جاتا ہے اور چونکہ ترتیب فقہی کے اعتبار سے بکثرت احکام کی حدیثیں لائے ہیں اس لئے سنن کا اطلاق بھی ہوتا ہے چنانچہ پہلے کتاب الطہارۃ لاتے ہیں اس کے بعد کتاب الصلوٰۃ پھر زکوٰۃ و صوم وغیرہ۔ علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ حاکم و خطیب نے بھی اسے الجامع کہا ہے، مگر ترمذی کا حاکم کو صحیح کہنا اور نسائی و ترمذیؒ کو خطیب کا صحیح کہنا فی الواقع ان کے نزدیک تساہل ہے[1]

لیکن فی الواقع اس کو تساہل قرار دینا مناسب نہیں ہے کیونکہ باعتبار اغلب کے صحیح کہا جا سکتا ہے جیسے صحاح ستہ کہنا باعتبار اغلبیت کے ہے نیز امام ترمذی خود بھی اس کو "صحیح" فرماتے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں۔ صنفتُ ھٰذا المسند الصحیح (وکذا قال ابن کثیر فی تاریخہ)

سنن ترمذی کے محاسن و فضائل امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ اس کتاب کو لکھ کر میں نے علماء حجاز کے سامنے پیش کیا تو انھوں نے اس کو بہت پسند فرمایا اور علماء خراسان کے سامنے پیش کیا تو انھوں نے بھی داد تحسین دی، پس جس گھر میں یہ کتاب ہو گویا اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گفتگو فرما رہے ہیں (تذکرہ صفحہ ۲۰۸/۲)

شیخ ابراہیم بیجوری کا یہ مشورہ ہر طالب حدیث کے لئے ہے کہ۔ الجامع الصحیح کا مطالعہ کرنا چاہئے کیونکہ یہ کتاب حدیثی و فقہی فوائد اور سلف و خلف کے مذاہب کی جامع ہے پس یہ مجتہد کے لئے کافی ہے۔ اور مقلد کے لئے بے نیاز کرنے والی ہے۔ میرے خیال میں مجتہد کے لئے تو کافی ہو سکتی ہے لیکن مقلد کے لئے کافی نہیں، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ فرماتے ہیں:۔ "ترمذیؒ کی جامع ان کی کتابوں میں سب سے بہتر تصنیف ہے بلکہ متعدد وجوہ سے جمیع کتب حدیث سے احسن ہے۔ (۱) اس میں حسن ترتیب اور عدم تکرار ہے (۲) فقہاء کے مذاہب کا ذکر ہے نیز مذہب والوں کے وجوہ استدلال بھی ہیں۔ (۳) حدیث کے انواع صحیح و حسن ضعیف، غریب، معلل وغیرہ بھی بیان کئے ہیں (۴) اسی طرح راویوں کے اسماء و القاب اور ان کی کنیتیں نیز دیگر فوائد جو علم رجال سے متعلق ہے اس پر بھی خاصی گفتگو ہے" (بستان صفحہ ۱۲۰/۲)

---

[1] تدریب صفحہ ۵۲

شیخ ابن صلاح کا فیصلہ ہے :- کتاب ابی عیسیٰ اصل فی معرفۃ الحسن (تدریب)
حافظ محمد بن طاہر مقدسی نے ذکر کیا کہ امام ابو اسمٰعیل عبداللہ بن محمد انصاری کے سامنے ہرات میں امام ترمذی اور ان کی کتاب کا تذکرہ آیا تو انھوں نے فرمایا کہ ان کی کتاب میرے نزدیک بخاری و مسلم سے زیادہ النفع ہے کیونکہ بخاری و مسلم سے فائدہ صرف عالم متبحری اٹھا سکتا ہے اور ابو عیسیٰ کی کتاب سے ہر شخص مستفید ہو سکتا ہے۔

ترمذی کی غرض | ہر محدث نے جمع حدیث کے لئے اپنی کتاب میں کچھ خاص چیزیں بطور غرض و مقصد کے پیش نظر رکھی ہیں۔ امام ترمذیؒ کا مقصدِ اعظم بیانِ مذاہب ہے مع الاستدلال حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے فرمایا :-

"ابو عیسیٰ ترمذیؒ نے گویا شیخین کے طریقے کو جو ابہام و تبیین کا راستہ تھا اور ابو داؤد کی رائے جو فقہاء کے مستدلات کا بیان تھا اس کو نہایت عمدگی سے جمع کر کے پیش کیا بلکہ دونوں راستوں کو جمع کر دیا ہے اور مزید براں صحابہؓ و تابعین و فقہاء کے مذاہب کا اضافہ بھی کر دیا گیا ہے۔ حقیقت میں انھوں نے بہت ہی جامع کتاب لکھی ہے، اسی طرح حدیث کے طرق کو بھی نہایت لطیف طریقہ سے مختصر کیا ہے۔ پس ایک حدیث کو ذکر کیا اور اسی باب میں اس کے ماسوا کی طرف اشارہ کر دیا اور ہر حدیث کی حیثیت بیان کر دی کہ آیا صحیح ہے یا حسن ہے، ضعیف ہے یا منکر اور حدیث کے ضعف کو بھی بیان کیا تاکہ طالب حدیث کو بصیرت حاصل ہو جائے۔ قابلِ عمل اور ناقابلِ عمل میں امتیاز ہو جائے پھر حدیث کا مستفیض و غریب ہونا بھی بیان کیا پھر صحابہ و فقہاء امصار کے مذاہب بھی بیان کئے۔ (حجۃ اللہ البالغۃ ص ۱۲۱)

لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ امام ترمذیؒ کا مقصدِ اعظم بیان مذاہب بھی ہے، امام ترمذیؒ کا صحابہ و تابعین کے مذاہب کو بیان کرنا احکام کی بہت سی کتابوں سے بے نیاز کر دیتا ہے، اسی طرح امام موصوف نے اُن مذاہب کو بھی بیان کیا جو کہ متروک ہو چکے ہیں، جیسے امام اوزاعی، سفیان ثوری، اسحاق بن ابراہیم

مروزی وغیرہ کے مذاہب جس سے ترمذی کے واسطہ کے بغیر واقفیت ناممکن ہے۔[1]

ترمذی کا مسلک حضرت شاہ صاحبؒ (مولانا انور کشمیریؒ) نے شافعی کہا ہے (عرف الشذی ص۲)

لیکن جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے کہ امام ترمذی امام بخاری کے خاص تلامذہ میں سے ہیں، اس لئے ان پر بھی مجتہدانہ رنگ غالب ہے، اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے وکان اھل الحدیث قد ینسب إلی أحد المذاھب لکثرۃ موافقتہ[2]

یعنی محدثین کا کسی امام کی کثرت موافقت کی وجہ سے اسی مذہب کی طرف انتساب کیا جاتا ہے مطلب یہ کہ انھوں نے اصول کے مطابق اجتہاد و استخراجِ مسائل کیا ہو اگر کوئی جزئی اختلاف ہو جائے تو ایسا ممکن ہے اور اس طرح کا اختلاف مسلکِ شافعی میں داخل ہونے کے لئے قادح نہیں۔[3]

چنانچہ امام ترمذیؒ نے بھی امام شافعیؒ سے بعض مسائل میں اختلاف کیا جیسے باب تاخیر الظھر فی شدۃ الحر۔ اس طرح کی مخالفت ان کے مذہب شافعی کی طرف منسوب کرنے میں قادح نہیں۔ جبکہ اکثر مسائل میں ان کے مقلد ہیں، لیکن بعض حضرات نے امام ترمذیؒ کی خاص اصطلاح "عند اصحابنا" سے استدلال کیا ہے کہ وہ مجتہد مطلق تھے اور دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ" امام فرماتے ہیں:-

"والعمل علی ھذا عند اصحابنا وعند الشافعی واحمد واسحٰق"

اسی طرح "باب الحائلہ" میں فرمایا ہے "ھو قول الشافعی واُصحابنا" اس سے ثابت ہوا کہ وہ حنبلی و شافعی نہیں تھے، لیکن اگر اس کو تسلیم کر لیا جائے کہ اس سے محدثین ہی کی ایک جماعت مراد ہو چنانچہ شیخ سراجی اور علامہ سندھی دونوں نے محدثین ہی کی جماعت مراد لیا ہے۔ تو اوپر شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا مقولہ گذر چکا ہے کہ محدثین کی جماعت کا کسی نہ کسی امام کی طرف انتساب تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ امام ترمذی کا مسلک "شافعی" کی طرف انتساب کرنا درست ہے۔

امام ترمذیؒ کی جرح و تعدیل کی حیثیت آپؒ کا یہ خاص امتیاز ہے کہ وہ روایت پر پوری طرح جرح و تعدیل سے کام لیتے ہیں، کیونکہ اس فن میں انھیں رسوخ حاصل تھا۔ جیسا کہ ان کی کتاب اور کتاب العلل"

---

[1] از افادات مولانا بنوری (۲ حجۃ اللہ ج ۱ ص۱۲۲) (۳ لامع ص۲۳)

کے مطالعہ سے واضح ہوجاتا ہے لیکن روایت کی تحسین و تصحیح میں بعض جگہ ان سے تساہل واقع ہوا ہے۔
مُلّا علی قاری ؒ نے کہا ہے۔ عندہ نوع من التساھل فی التصحیح ولا یضرہ (مرقاۃ ص۲)
(امام ترمذی تصحیح روایت میں تساہل واقع ہوئے ہیں) لیکن فی الواقع یہ کچھ نقصان دہ نہیں۔ آگے چل کر
ملّا علی قاری فرماتے ہیں: واطلق الحاکم والخطیب الصحۃ علی ما جمع فی سنن
الترمذی۔ لیکن علامہ سیوطی نے حاکم اور خطیب کے فیصلہ کو بھی تساہل قرار دے دیا ہے[۱]
علامہ ذہبی فرماتے ہیں:۔
ترمذی کا درجہ ابوداؤد اور نسائی کے بعد رکھا جائے گا اس لئے کہ انھوں نے مصلوب
وکلبی جیسے لوگوں کی روایات کو اپنی کتاب میں جگہ دی ہے (تدریب ص۵۶)
اسی طرح علامہ موصوف نے کثیر بن عبداللہ بن عمرو بن عوف المزنی کے ترجمہ میں لکھا ہے:۔
قال ابن معین لیس بشئی وقال الشافعی رکن من ارکان الکذب وضرب
احمد علی حدیثہ ۔ الخ اس کے باوجود امام ترمذی ؒ نے اس کی حدیث کی تخریج کی ہے
وہ حدیث یہ ہے:۔ الصلح جائز بین المسلمین ۔ اور اس کی تصحیح کی ہے لہٰذا علماء ترمذی کی تصحیح پر
اعتماد نہیں کرتے، نیز اس طرح یحیٰی بن یمان کے ترجمہ میں حضرت ابن عباس رض کی حدیث ذکر کرنے کے بعد
فرمایا کہ ترمذی نے اس کی تحسین کی ہے حالانکہ اس میں تین رواۃ ضعیف ہیں، وہ حدیث یہ ہے:۔
"إن النبی صلی اللہ علیہ وسلم دخل قبرا لیلاً فاسرج لہ سراج"
اس روایت کے ذیل میں علامہ زیلعی فرماتے ہیں:۔
"امام ترمذی نے اس حدیث کو روایت کرکے اس کو حدیث حسن کہا ہے حالانکہ ان کا یہ فیصلہ صحیح
نہیں ہے کیونکہ اس حدیث کا مدار حجاج بن ارطاۃ پر ہے اور یہ مدلّس ہے اس نے سماع کا
کہیں ذکر نہیں کیا، دوسری وجہ یہ ہے کہ ابن قطان فرماتے ہیں کہ اس کے ایک راوی منہال
بن خلیفہ کی ابن معین نے تضعیف کی ہے اور امام بخاری فرماتے ہیں" فیہ نظر" (نصب الرایہ ص۳۶۳ ج۱)

---

[۱] تدریب ص۵

اس سے ثابت ہوا کہ امام موصوف نقد روایات میں متساہل واقع ہوئے ہیں۔ بہرحال ان کے فیصلہ پر تحقیق وجستجو کے بعد ہی عمل کیا جائے گا۔ لیکن ان کا تساہل حاکم کے تساہل سے مختلف ہے۔

علامہ زیلعی فرماتے ہیں :۔ قیل ان تصحیحہ (الحاکم) دون تصحیح الترمذی والدارقطنی بل تصحیحہ کتحسین الترمذی واحیانا یکون دونہ یعنی حاکم کی تصحیح ترمذی و دارقطنی کی تصحیح سے کم حیثیت رکھتی ہے بلکہ یہ ترمذی کے تحسین کے درجہ پر رکھی جا سکتی ہے اور کبھی اس سے بھی کم حیثیت دی جائے گی۔

(مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص۱۶۲)

علامہ ابن حزم کی تنقید کا جواب | امام موصوف کی ثقاہت وجلالت شان کے باوجود بھی بعض محدثین نے ان پر تنقید کی ہے جس میں سب سے زیادہ حیرت انگیز علامہ ابن حزم کی تنقید ہے اور کہہ دیا کہ "ترمذی مجہول ہیں" جس کو جمہور محدثین نے رد کر دیا ہے، علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ ابو عیسیٰ ترمذی کی ثقاہت متفق علیہ ہے ان کے بارے میں ابن حزم کا یہ قول کہ "وہ مجہول ہیں" ناقابل توجہ ہے درحقیقت ابن حزم انکی کتاب جامع و علل سے واقف ہی نہ تھے۔" (میزان جلد ۳ ص۱۱۷)

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں :۔

"ابن حزم نے کتاب الفرائض من الاتصال میں محمد بن عیسیٰ کو مجہول لکھا ہے لیکن یہ بات وہی کہہ سکتا ہے جس کو ان کے حفظ اور تصانیف کی خبر نہ ہو، ابن حزم نے اس قسم کے الفاظ بعض اور ثقات کے متعلق لکھے ہیں حالانکہ وہ ساری مخلوق میں مسلّم اور مشہور ہیں"

(تہذیب التہذیب ص۳۸۸ ج۹)

علامہ ذہبی نے سیر النبلاء میں نہایت عمدہ بات لکھدی ہے کہ ابن حزم نے بہت سی احادیث کا تذکرہ کیا ہے لیکن سنن نسائی اور ابن ماجہ اور جامع ترمذی کے متعلق سکوت اختیار کیا ہے کیوں کہ یہ کتابیں انھوں نے دیکھی ہی نہ تھیں، ان کی وفات کے بعد اندلس میں داخل ہوئیں۔ اسی طرح حافظ بیہقی کے پاس بھی یہ کتابیں موجود نہ تھیں۔ (ما تمس بہ الحاجۃ ص۲۵)

ملا علی قاری کا تسامح | علامہ سیوطیؒ نے تدریب الراوی میں لکھا کہ "سنن ترمذی میں ایک سو اکیاون^۱۵۱ عنوان کتب ہیں اور ہر کتب کے تحت سیکڑوں ابواب ہیں اور اس کتاب میں ایک روایت ثلاثی بھی ہے" لیکن ملا علی قاریؒ سے یہاں تسامح ہوگیا۔ مرقاۃ جلد اول ص۱۲۱ پر رقم طراز ہیں۔

"جامع ترمذی کو صحاح کے درمیان ایک خصوصیت یہ حاصل ہے کہ اس کی ایک حدیث ثنائی ہے اور وہ یہ ہے:۔ یاتی علی الناس زمان الصابر فیھم علی دینہ کالقابض علی الجمر فاسنادہ أقرب من اسناد البخاری ومسلم وأبی داؤد فإن لھم ثلاثیات"

امام ترمذی نے اس کو کتاب الفتن میں روایت کیا ہے۔ پوری اسناد یوں ہے۔

حدثنا اسمٰعیل بن موسیٰ الفزاری بن ابنۃ السدی الکوفی نا عمر بن شاکر عن أنس بن مالکؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ

اس میں حضور صلعم تک تین واسطے ہیں، اسمٰعیل بن موسیٰ عمر بن شاکر اور انس بن مالکؓ پس اس کی سند ثلاثی ہے نہ کہ ثنائی۔

جامع صحیح کی معمول بہا احادیث | امام ترمذی نے کتاب العلل جلد ۲ ص۲۴۶ پر یہ دعویٰ کیا ہے:۔

میری اس کتاب کی ساری احادیث معمول بہا ہیں اور ہر ایک پر اہل علم میں سے کسی نہ کسی کا عمل ضرور ہے سوا دو^۲ کے

(۱) حدیث ابن عباسؓ، أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم جمع بین الظھر والعصر بالمدینۃ والمغرب والعشاء من غیر خوف ولا مطر ولا سفر

(۲) دوسری حدیث

النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال من شرب الخمر فاجلدوہ فان عاد فی الرابعۃ فاقتلوہ۔

لیکن فی الواقع ان دونوں حدیثوں پر بھی بعض اہل علم کا عمل ہے، حنفیہ حدیث اول کو جمع صوری،

اور حدیث ثانی کو سیاست پر محمول کرتے ہیں، اگر امیر المومنین مصلحت سمجھے تو چوتھی بار قتل بھی کر سکتا ہے غرض یہ ہے کہ احناف کے یہاں ان دونوں پر عمل کیا جا سکتا ہے۔

جامع ترمذی کی بعض کتابی خصوصیات

تمام محدثین کی کتابوں میں کچھ علیحدہ علیحدہ خصوصیتیں موجود ہیں۔ صحاح ستہ کے مصنفین میں سے ہر ایک نے اپنی جگہ یہ کوشش کی ہے کہ "اس کی کتاب میں کوئی نئی اور مفید بات موجود ہو۔ جو کہ اسے دیگر کتب سے ممتاز کر سکے" اس کی تفصیل ہر ایک کے حالات کے ساتھ کی جائے گی، فی الحال ہمارے پیشِ نظر امام ترمذی کی سنن کی خصوصیات بیان کرنا ہے جس کا جاننا ایک طالب علم کے لئے از حد ضروری ہے:۔

(۱) کبھی امام ترمذی ترجمۃ الباب کسی صحابی کی مشہور حدیث سے منعقد کرتے ہیں جس کی سند ان کے نزدیک صحیح ہوتی ہے اور اس حدیث کی صحاح ستہ کے مؤلفین نے بھی تخریج کی ہوتی ہے لیکن اس ترجمہ کے تحت اس حکم کو دوسرے صحابی کی حدیث غیر معروف سے ثابت کرتے ہیں اگرچہ اس کی اسناد حدیث منعقد ترجمہ سے کم درجہ کی ہوتی ہے، لیکن اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں فی الباب عن فلان و فلان الخ اور پوری ایک جماعت کا تذکرہ کر دیتے ہیں۔ جس میں اس صحابی کا بھی نام لے لیتے ہیں جس کی حدیث سے ترجمہ منعقد کیا تھا، اس کا فائدہ یہ ہے کہ حدیث غیر مشہور سے واقفیت بھی ہو جاتی ہے، اور اگر اس میں کوئی علت خفیہ ہے تو اس کا اظہار بھی کر دیتے ہیں، اسی طرح متن کی کمی و زیادتی کو بھی بیان کر دیتے ہیں۔ (نفع قوت المغتذی ص۴)

(۲) ان کی عادت یہ ہے کہ فی الباب عن فلان و فلان کہتے ہیں یعنی بہت سے صحابہؓ کا ذکر کرتے ہیں اور کبھی عن فلان عن ابیہ کہتے ہیں اور اس میں متعدد باتیں ان کے پیشِ نظر ہوتی ہیں، کبھی تو یہ بتانا ہوتا ہے کہ ان صحابی کے صرف بیٹے ہی نے ان سے روایت کی ہے اور کبھی صحابی کے نام میں اختلاف ہوتا ہے تو بیٹے کا نام التباس دور کرنے کے لئے بیان کر دیتے ہیں۔ لیکن یہ قاعدہ کلیہ نہیں کیونکہ کبھی صحابی کے غیر معروف ہونے کی وجہ سے بھی ایسا کر دیتے ہیں۔

(۳) عام طور پر جس صحابی کی روایت باب کے تحت لاتے ہیں پھر فی الباب میں اس کا تذکرہ نہیں کرتے مثلاً باب کے تحت اگر حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث لائے تو فی الباب عن ابی ہریرہؓ نہیں کہیں گے،

البتہ چند جگہیں مستثنیٰ ہیں، مثلاً باب الرکعتین اذا جاء الرجل والإمام یخطب اس باب میں حضرت جابرؓ کی روایت نقل کی ہے اور دوبارہ پھر فی الباب عن جابر کہا ہے۔ حافظ عراقی فرماتے ہیں:۔
ممکن ہے حضرت جابرؓ کی دوسری روایت کی طرف اس باب میں اشارہ کررہے ہوں (تدریب)

(۴) اسی طرح حدیث طویل کو مختصر کرکے آخر میں فرماتے ہیں فیہ قصۃ وفیہ کلام اکثر من ھذا۔

(۵) اسماء مشترکہ کے درمیان تمیز کرنا ہے جیسے یزید الفارسی ویزید الرقاشی اسی طرح ان کنیتوں کے درمیان جن میں اشتراک ہوتا ہے اس کے فرق کو بھی ترمذی واضح کردیتے ہیں۔ جیسے ابوحازم الزاھد ابوحازم الاشجعی پہلے کا نام سلمہ بن دینار مدنی اور دوسرے کا نام سلمان کوفی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جہاں کسی طرح کا غموض وخفاء ہوتا ہے وہاں لازمی طور پر اس کو واضح کردیتے ہیں۔

(۶) اسی طرح سے باب بلا ترجمہ کے لاتے ہیں اور اس میں کسی حدیث کے نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں فی الباب عن فلان اس کے ذریعہ سے اس مضمون کی دوسری روایت کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ نیز باب بلا ترجمہ سے کسی ایسے مسئلہ کی طرف تنبیہ کرنا چاہتے ہیں جس کا تعلق ماقبل کے ترجمۃ الباب سے ہے جیسا کہ ان کے شیخ امام بخاری کا طرزِ عمل اور طریقہ کار ہے۔

(۷) اسی طریقے سے ترجمہ کے تحت حدیث لانے کے بعد کہتے ہیں فی الباب عن فلان یعنی کسی دوسرے صحابی کا یہاں ذکر کرتے ہیں اور پھر اس کے بعد اسی صحابی سے روایت نقل کرتے ہیں جس کی حدیث کی طرف فی الباب میں اشارہ کیا گیا تھا۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان صحابی کی یہی حدیث مراد ہے جس کو بعد میں ان سے روایت کررہے ہیں۔ مثلاً باب زکوٰۃ البقر میں حضرت ابن مسعودؓ کی حدیث کے بعد فرماتے ہیں وفی الباب عن معاذ بن جبلؓ اور پھر اس کے بعد حضرت معاذؓ سے تقریباً اسی مضمون کی روایت نقل کی ہے جو ابن مسعودؓ کی روایت میں تھا۔

(۸) اسی طرح ترجمہ کے تحت میں کبھی دو مرتبہ وفی الباب عن فلان کہتے ہیں، جیسے باب اکل لحوم الجلالۃ میں پہلے ابن عمرؓ کی روایت کو لے آئے ہیں اور پھر کہا وفی الباب عن ابن عباسؓ اور

ابن عباسؓ کی پوری روایت نقل کردی ہے اور اس کی تصحیح و تحسین کے بعد فرماتے ہیں وفی الباب عن ابن عمرؓ اور روایت نہیں نقل کی۔ بظاہر دوبارہ فی الباب کہنے سے ان کی غرض یہ ہے کہ حدیث اول کے ہم معنی ابن عمرؓ سے دوسری روایت بھی موجود ہے کما فی ابی داؤد ونسائی وغیرہ۔

(۹) عام طور پر اکثر ابواب میں خصوصاً احکام کی حدیث میں ایک ہی حدیث کے درج کرنے پر اکتفاء کیا ہے اور اس حدیث کے دیگر طرق یا اس باب کی دیگر روایات کی طرف اشارہ کردیا ہے، اس لئے احکام کی احادیث کی تعداد ان کی کتاب میں بہت کم ہے لیکن اس کا تدارک فی الباب عن فلاں کے ذریعہ کردیتے ہیں، یہ ترمذی کی ایسی خصوصیت ہے جس کی محدثین کی نظر میں بہت اہمیت ہے کیونکہ اس کے ذریعہ اس حدیث یا اس مضمون کے روایت کرنے والے صحابہؓ کی تعداد معلوم ہوجاتی ہے اور اس میں ایسا استیفا کیا ہے جس کی تخریج کے لئے ہزاروں صفحات بھی ناکافی ہوں گے، حافظ ابن حجر کی اس میں مستقل تصنیف ہے اللباب فیما یقول الترمذی فی الباب جو مدینہ منورہ کے کتب خانہ میں موجود ہے اس میں مصنف نے تخریج روایات کے علاوہ پوری طرح جرح و تعدیل سے کام لیا ہے۔ فی الباب سے بعض لوگوں کو غلط فہمی ہوجاتی ہے کہ امام ترمذی نے جن رواۃ کے اسماء کی طرف اشارہ کیا ہے وہ لوگ بعینہ اسی متن کو روایت کررہے ہیں۔

علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں :- کہ اس سے وہ حدیث معین مراد نہیں ہوتی بلکہ اس کے ہم معنے دیگر روایات کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ چنانچہ علامہ عراقی کا کہنا ہے کہ کبھی وہی حدیث معین ہی مراد ہوتی ہے اور کبھی اس مضمون کی دیگر روایات کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ (تدریب ص۸۳)

(۱۰) کبھی ترجمہ کے تحت احادیث غریبہ کو لاتے ہیں اور اسی باب کی دیگر روایات صحیحہ کی طرف "فی الباب" سے اشارہ کردیتے ہیں - اگرچہ امام ترمذی کے تخریج روایت کی شرطیں شیخین و ابوداؤد اور نسائی سے کم درجہ رکھتی ہیں، لیکن صحت و ضعف اور علل حدیث پر بھی تنبیہ کرکے اس کی تلافی کردیتے ہیں -

حافظ ابن رجب حنبلی نے شرح علل ترمذی میں تحریر فرمایا ہے کہ امام ترمذی نے اپنی کتاب میں حدیث صحیح وحسن اور غریب کو بیان کیا ہے جن میں بعض مناکیر بھی ہیں - خصوصاً فضائل میں - لیکن ساتھ ہی اس کی صحت و ضعف کو بھی ظاہر کردیتے ہیں - لیکن علامہ حازمیؒ فرماتے ہیں کہ اگر حدیث ضعیف یا طبقۂ رابعہ کی ہوتی ہے تو اس کے

ضعف پر تنبیہ کر دیتے ہیں اور اس صورت میں یہ روایت ان روایات صحیحہ فی الباب کے لئے بمنزلہ شاہد و متابع کے بن جاتی ہیں۔ اور امام ترمذیؒ کا اعتماد حقیقت میں وہی روایات صحیحہ ہی ہوتی ہیں۔ جو جمہور کے نزدیک بھی صحیح ہیں (شروط الائمہ ص۴۲)

(۱۱) امام ترمذیؒ کی عادت ہے کہ عام طور پر دو طرح کے تراجم قائم فرماتے ہیں، ایک ترجمہ سے اہل حجاز جس میں عام طور پر امام شافعیؒ ہوتے ہیں ان کے مسلک کی تائید مقصود ہوتی ہے، اور دوسرے ترجمہ سے اہل عراق جس میں عام طور پر امام ابو حنیفہؒ ہوتے ہیں اس سے ان کے مسلک کی تائید فرماتے ہیں۔ (عرف الشذی)

(۱۲) امام ترمذیؒ حدیث کی صحت اور حسن کا فیصلہ صادر کرنے کے بعد فرماتے ہیں" والعمل علی هذا عند أهل العلم أو أكثر أهل العلم أو عند بعض أهل العلم " اس کے ذریعہ سے فقہاء کے مذاہب کا علم ہو جاتا ہے، اور بعض ایسے فقہاء کا مسلک معلوم ہوتا ہے جن سے واقفیت امام ترمذیؒ کے واسطہ کے بغیر مشکل ہے۔

(۱۳) اسی طرح سے امام ترمذیؒ جب کسی حدیث کو حسن یا غریب کہتے ہیں تو عام طور پر ان دونوں میں سے جو وصف غالب ہوتا ہے اس کو مقدم کرتے ہیں۔ جیسے" باب ماجاء فی الأربع قبل العصر" (جامع الترمذی ص۵۰)

اس باب کے تحت ابن عمرؓ کی مرفوع روایت" رحم الله امرءا صلى أربعا الخ نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں هذا حديث حسن غريب، علامہ عراقی کی رائے ہے کہ حسن و غرابت میں جو وصف غالب ہوتا ہے اس کو مقدم فرماتے ہیں، پس ابن عمرؓ کی یہ حدیث صرف ایک ہی سند سے مروی ہے، لیکن حسن کا وصف غالب ہے، اسی ضابطہ کو مصنف نے یہاں بھی ملحوظ رکھا ہے۔ (تدریب ص۵۵)

امام ترمذیؒ کی مشہور مصطلحات

امام ترمذیؒ نے اپنی کتاب میں بعض ایسی اصطلاحات کو استعمال کیا ہے جس کا تعلق عام طور پر جرح و تعدیل یا بیان مذاہب وغیرہ سے ہے، ہم ان میں سے صرف چند کو بیان کریں گے جس کی کتاب میں زیادہ اہمیت ہے، چنانچہ امام موصوفؒ بکثرت فرماتے ہیں:-

(۱) هذا حديث صحيح حسن اور کبھی حسن صحیح کہتے ہیں اور کبھی هذا حديث حسن صحيح غريب

فرماتے ہیں، حالانکہ کسی ایک حدیث میں ان تینوں اوصاف یا ان میں سے دو کا اجتماع نہیں ہو سکتا، وفی الواقع یہ اشکال اس وقت پیدا ہوگا جب حدیث کی مشہور اصطلاحی تعریف مراد لی جائے، لیکن امام ترمذیؒ خود مجتہد ہیں، چنانچہ حدیث حسن کی تعریف جمہور کے خلاف یوں کی ہے کہ "حسن وہ حدیث ہے جس کا کوئی راوی متہم نہ ہو، وہ روایت شاذ نہ ہو اور متعدد طرق سے مروی ہو (کتاب العلل ص۲۴۰) لیکن علامہ سیوطیؒ نے ابن سید الناس کا یہ قول نقل کیا ہے کہ امام ترمذی نے حسن کی محض ایک قسم کی تعریف کی ہے، اور اس کی صراحت امام موصوف نے کتاب العلل میں کر دی ہے اس لئے اس سے معلوم ہوا کہ یہ امام ترمذیؒ کی خاص اصطلاح ہے (تدریب الراوی ص۵۹) بہرکیف جمہور کے قول کے مطابق بھی حسن وصحیح کے اجتماع میں کوئی اشکال نہیں، کیونکہ ایک حدیث ایک محدث کی تحقیق میں صحیح ہے اور دوسرے کے نزدیک حسن ہے یا اس کے برعکس، اسی طریقے سے ایک شخص کے نزدیک ایک ہی حدیث حسن لذاتہ ہے اور دوسرے کے نزدیک حسن لغیرہٖ یا ایک حدیث دو اسانید سے مروی ہے ایک کے اعتبار سے حسن اور دوسرے کے اعتبار سے صحیح ہو (مقدمہ اصول حدیث شیخ عبدالحق)

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں، عموماً ایک حدیث کی سند میں مجتہد کو تردد ہوتا ہے کہ آیا راوی میں شرائط حسن کے ہیں یا صحیح کے ہیں پس مجتہد نے دونوں بیان کر دیا اور کثرتِ استعمال کی وجہ سے "أو" گر گیا، اور اصل عبارت یوں ہوگی، حدیث حسنٌ اَوْ صحیحٌ (شرح نخبہ ص۱۲۰) نیز اس کے متعدد جوابات دیئے گئے ہیں، بعض لوگوں نے حسن وصحیح کے لغوی معنی مراد لئے ہیں لیکن یہ دونوں باتیں امام ترمذیؒ کی شان سے بعید ہیں، (کوکب ص۱۱)

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ جس طرح صحیح وحسن کے اجتماع میں کوئی دشواری نہیں اسی طرح غریب وحسن کے اجتماع میں بھی کوئی اشکال نہیں، اس لئے کہ امام ترمذیؒ نے حسن کی تعریف میں تعدد طرق کا لحاظ کیا ہے جو ان کی اپنی اصطلاح ہے پس جہاں وہ حسنٌ غریبٌ کہتے ہیں وہاں ان کی خاص تعریف مراد ہوتی ہے۔ (مقدمہ شیخ عبدالحق)

لفظ کراہیۃ وکراھۃ کا مطلب

امام ترمذیؒ، چند مخصوص الفاظ ہیں، ان دونوں کو بکثرت استعمال فرماتے ہیں، چنانچہ

باب کراھیۃ الاستنجاء بالیمین، باب فی کراھیۃ الصلوٰۃ بعد العصر وبعد المغرب عام طور پر کراہتہ سے مکروہ تنزیہی وخلاف اولیٰ ہی مراد لیا جاتا ہے لیکن امام ترمذیؒ نے کبھی اس سے ایک عام معنی مراد لئے ہیں جو تحریمی وتنزیہی دونوں کو شامل ہیں، جیسے ترجمہ ہے "باب ماجاء فی کراھیۃ الإقعاء بین السجدتین" یہاں اقعاء کی دونوں صورتوں کو مراد لیا ہے، حالانکہ اقعاء کی ایک صورت تحریمی کی ہے اور دوسری تنزیہی کی ہے، اور کبھی کراہت سے کراہت تحریمی ہی مراد لی ہے، جیسے باب ماجاء فی کراھیۃ أن یبادر الإمام فی الرکوع والسجود " امام سے مسابقت بالاتفاق حرام ہے، اور کبھی کراہت تنزیہی ہی کو مراد لیا ہے، جیسے " باب الأذان بغیر أجر " یہاں کراہت تنزیہی مراد ہے۔

کیوں کہ ان دونوں میں تفریق سلف کے نزدیک نہیں تھی، اور عام طور پر لفظ کراہت سے مکروہ تحریمی ہی مراد لیا کرتے تھے، علامہ عینیؒ فرماتے ہیں:۔

" المتقدمون یطلقون الکراھۃ ویریدون کراھۃ التحریم" (عمدۃ القاری ص۳۸۶ ج۳)

البتہ دونوں میں تفریق متاخرین فقہاء نے عوام کی سہولت کے پیشِ نظر قائم کی ہے، علامہ ابن قیمؒ نے اس پر تفصیلی گفتگو کی ہے، فرماتے ہیں متأخرین نے مکروہ تنزیہی وخلاف اولیٰ کی اصطلاح ایجاد کی ہے، اور اب لفظ کراہت سے تنزیہی کے معنی مراد لئے جاتے ہیں (مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص۲۰۵)

بعض اہلِ کوفہ سے کون لوگ مراد ہیں؟

امام ترمذیؒ نے امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب کا مسلک صراحت کے ساتھ ذکر نہیں فرمایا، حالانکہ جہاں اہلِ کوفہ کا مسلک نقل کرتے ہیں ان کے ساتھ اکثر حنفیہ ہی کو مراد لیا ہے اس لئے عام طور پر یہ مشہور ہے کہ مصنّف نے جہاں کہیں لفظ اہلِ کوفہ لکھا ہے اس سے امام ابوحنیفہؒ اور ان کے تلامذہ مراد ہیں، شیخ سراج لکھتے ہیں کہ جہاں کہیں امام موصوفؒ نے اہلِ کوفہ کا تذکرہ کیا ہے اس سے مراد امام ابوحنیفہؒ ہیں اور ایسا امام صاحبؒ کی شان میں غایت تعصب سے کیا ہے۔ (شرح جامع الترمذی ص۱۹)

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے بھی یہ فرمایا ہے کہ امام ترمذیؒ کو ائمہ مجتہدین کے ساتھ ایک طرح کا

تعصب تھا، خصوصاً امام اعظم ابو حنیفہؒ کی ذاتِ گرامی سے اس لئے انھوں نے امام صاحبؒ اور ان کے تلامذہ کی طرف بعض اہلِ کوفہ سے اشارہ کیا ہے۔ اور امام صاحبؒ کے اسم شریف کو کہیں کتاب میں صراحتاً ذکر نہیں کیا ہے (شرح سفر السعادۃ)

ان حضرات کی گفتگو سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اہلِ کوفہ سے حنفیہ ہی مراد ہیں، لیکن یہ کلیہ نہیں، کبھی اس کا اطلاق دوسرے علماء کوفہ پر بھی کیا ہے (کوکب ص۲۴) جیسے باب ماجاء أنہ یبدأ بمؤخر الرأس۔ اس ترجمہ کے تحت فرماتے ہیں۔ قد ذھب اھل الکوفۃ إلی ھذا الحدیث منھم وکیع بن الجراح،

حضرت مولانا انور شاہؒ فرماتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ امام ترمذیؒ کو امام صاحبؒ کا مسلک کسی قابلِ اعتماد سند سے نہیں پہنچا تھا، جیسا کہ زعفرانیؒ کے واسطے سے امام شافعیؒ کا قول ذریعہ پہنچا، مزید برآں یہ اپنے شیخ امام بخاریؒ کی شخصیت سے متاثر تھے (عرف الشذی)

لیکن امام ترمذیؒ نے ایک روایت امام صاحبؒ سے کتاب العلل میں نقل کی ہے، جو مصری نسخہ میں موجود ہے اور حافظ ابن حجرؒ نے تہذیب التہذیب میں بھی اس کا تذکرہ کیا ہے اور وہ روایت یہ ہے

حدثنا محمود بن غیلان حدثنا أبو یحیی الحمانی قال سمعت أبا حنیفۃ یقول ما رأیت أکذب من جابر الجعفی ولا أفضل من عطاء بن أبی رباح الخ

نیز اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحبؒ کو امام ترمذیؒ ائمۂ جرح و تعدیل میں سمجھتے ہیں۔ (کوکب ص۲۴، ۲۷)

جامع ترمذی پر علامہ ابن جوزیؒ کی تنقید

علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ ابن جوزیؒ نے جامع ترمذی کی تیئیس ۲۳ احادیث کو موضوع قرار دیا ہے۔ (لامع ص۱۶) لیکن علامہ ابن جوزیؒ نقد روایات میں متشدد قرار دئے گئے ہیں، علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ ابن جوزی نے اپنی کتاب میں بہت سی ایسی احادیث کو موضوع کہہ دیا ہے جن کے موضوع ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے، بلکہ فی الواقع وہ ضعیف ہیں، علامہ ذھبیؒ کی رائے ہے کہ ابن جوزیؒ نے بہت سی قوی و حسن روایات کو بھی کتاب الموضوعات میں داخل کر دیا ہے (تدریب الراوی ص۱۵۵)

شیخ الاسلام حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ ابن جوزیؒ کا نقد روایات میں تشدد اور حاکم کے تساہل نے ان دونوں کتابوں کے نفع کو مشکل بنا دیا ہے، اس لئے کہ ان دونوں کی کتابوں کی ہر حدیث میں تساہل کا امکان ہے، پس ناقل کو ان دونوں سے نقل میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے، مجرد ان دونوں کی تقلید مناسب نہیں (التعقبات علی الموضوعات ص۱) پس معلوم ہوا کہ علامہ موصوف کا ہر حدیث کے متعلق وضع کا فیصلہ نامناسب ہے، علامہ سیوطیؒ نے اپنی کتاب "القول الحسن فی الذب عن السنن" میں ان سب کا جواب دیا ہے۔

جامع ترمذی کی شروح

جامع ترمذی کی اہمیت اور افادیت کے پیش نظر علماء و محدثین نے اس کے ساتھ پورا اعتناء کیا اور اس کی متعدد شرحیں اور حواشی و مستخرجات لکھے گئے، طوالت کے سبب سے ان سب کا تعارف یہاں مشکل ہے، البتہ چند مشہور و متداول شروح و حواشی یہ ہیں۔

۱۔ شروح اربعہ :۔ یہ جامع ترمذی کی چار شرحوں، عارضۃ الاحوذی لابن العربی۔[۱] قوت المغتذی للسیوطی[۲] و ابو طیب[۳] مدنی المتوفی ۱۱۰۹ھ اور سراج[۴] احمد سرہندی کی شرحوں کا مجموعہ ہے۔ اس کی ایک ہی جلد چھپ سکی تھی۔

عارضۃ الاحوذی لابن العربی مالکی المتوفی ۵۴۶ھ کی شرح آج مصر سے چھپ کر مکمل آگئی ہے۔
قوت المغتذی جو علامہ سیوطیؒ کی کتاب ہے۔ اس کی تلخیص علامہ دمنتی نے کی جو نفع قوت المغتذی کے نام سے کتاب کے ساتھ چھپی ہوئی موجود ہے۔

(۵) حافظ ابوالفتح محمد بن محمد بن سید الناس الشافعی المتوفی ۷۳۴ھ کی شرح جو مکمل طور پر مدینہ منورہ کے کتب خانے میں موجود ہے اور اس کا کچھ حصہ قلمی ہندوستان کے بھی بعض کتب خانوں میں موجود ہے۔

(۶) تحفۃ الاحوذی :۔ مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری کی یہ کتاب چھپ گئی ہے اور اس کے مقدمہ سے راقم نے بھی اس مضمون میں استفادہ کیا ہے۔

(۷) العرف الشذی :- کے نام سے مولانا انور شاہ کشمیریؒ کے افادات ان کے ایک شاگرد نے جمع کئے ہیں،

(۸) الکوکب الدری :- حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ - یہ جامع ترمذی پر حضرت مولانا کے افادات ہیں جسے حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ کاندھلویؒ نے مرتب کیا تھا - اور حضرت الاستاذ مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث مد فیوضہم کے حواشی نے چار چاند لگا دیئے ہیں اور حل کتاب میں اس سے بہتر کوئی کتاب نظر سے نہیں گذری۔

تفسیر مظہری اُردو

تالیف حضرت قاضی محمد ثناء اللہ حنفی پانی پتیؒ

حضرت قاضی صاحب کی یہ عظیم الشان تفسیر مختلف خصوصیتوں کے اعتبار سے بہترین تفسیر سمجھی گئی ہے کلام اللہ کے مطالب و مباحث کی تفہیم و تسہیل، آیات و احادیث کی روشنی میں احکام شرعی کی تشریح و تفصیل اور نکات و حِکَم وغیرہ کے بیان کے لحاظ سے یہ تفسیر اپنا جواب نہیں رکھتی" ندوۃ المصنفین" کو بجا طور پر یہ فخر ہے کہ اسکے ذریعہ سے اس لاثانی تفسیر کا عربی نسخہ پہلی مرتبہ زیورِ طبع سے آراستہ ہوا - اب اس گوہر نایاب کو اُردو کے قالب میں پیش کرنے کا بیڑا اُٹھایا گیا ہے، خدا کا شکر ہے کہ اب تک متعدد جلدیں شائع ہو چکی ہیں، اور انشاء اللہ یہ سلسلہ ترجمہ مکمل ہونے تک برابر قائم رہے گا۔

آسانی اور عوام کی ضرورت کے تحت پہلے دو پاروں (تبارک الذی اور عمّ یتساءلون کی تفسیر شائع کی گئی اب باقی جلدیں ترتیب وار شائع کی جا رہی ہیں، ترجمہ کے ساتھ حسب ضرورت تشریحی نوٹ بھی دیئے گئے ہیں جن سے مطالب قرآن کریم کے سمجھنے میں مزید آسانی ہوگی، ترجمہ نہایت آسان اور شستہ و شگفتہ ہے کتابت و طباعت میں ندوۃ المصنفین کی خصوصیات کا اور بھی زیادہ لحاظ رکھا گیا ہے ۳۰ پونڈ کا بہترین سفید چکنا کاغذ لگایا گیا ہے۔

سائز ۲۲ × ۲۹/۸ صفحات تقریباً ۶۰۰ مُترجم مولانا سید عبدالدائم صاحب جلالی

ھدیہ	حصہ دہم غیر مجلد	دس روپے ۵۰ نئے پیسے	مجلد چرمی	بارہ روپے ۵۰ نئے پیسے
"	جلد اول "	دس روپے ۵۰ نئے پیسے	"	بارہ روپے ۵۰ نئے پیسے
"	جلد دوم "	گیارہ روپے	"	تیرہ روپے
"	جلد سوم	زیر طبع ہے۔		

مکتبۂ برہان اُردو بازار جامع مسجد دہلی۶